Al-Mīthāq *(Research Journal of Islamic Theology)*
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 02, **Issue** 02, July-December 2023, **PP**: 46-63
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

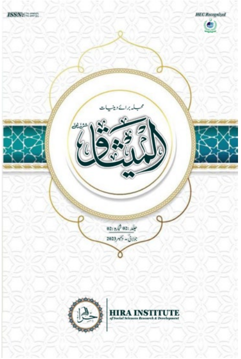

عہدِ خلافتِ راشدہ کی روشنی میں اقتصادی معاملات میں ریاستی مداخلت کا تحقیقی مطالعہ

A Research Study of State Intervention in Economic Affairs in the Light of the Era of Khilāfat-e-Rāshidah

1. Tooba Riaz toobariaz4343@gmail.com	*Ph.D. Scholar and Visiting Lecturer,* *The Islamia University of Bahawalpur.*
2. Dr Muhammad Imran muhammadimranpak3@iub.edu.pk	*Associate Professor,* *Department of Islamic Studies,* *The Islamia University of Bahawalpur.*
3. Dr Tanveer Akhtar t.akhtar1433@gmail.com	*Assistant Professor,* *National College of Business Administration & Economics* *Lahore, Sub Campus Bahawalpur.*

How to Cite: Tooba Riaz, Dr Muhammad Imran and Dr Tanveer Akhtar. 2023: "A Research Study of State Intervention in Economic Affairs in the Light of the Era of Khilāfat-e-Rāshidah". *Al-Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 2 (02):46-63.

Article History:

Received:	**Accepted**:	**Published**:
02-09-2023	13-10-2023	01-11-2023

Copyright: **©The Authors**

Licensing: CC BY — This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

عہدِ خلافتِ راشدہ کی روشنی میں اقتصادی معاملات میں ریاستی مداخلت کا تحقیقی مطالعہ

A Research Study of State Intervention in Economic Affairs in the Light of the Era of Khilāfat-e-Rāshidah

1. **Tooba Riaz**
   Ph.D. Scholar and Visiting Lecturer, The Islamia University of Bahawalpur.
   toobariaz4343@gmail.com

2. **Dr Muhammad Imran**
   Associate Professor,
   Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.
   muhammadimranpak3@iub.edu.pk

3. **Dr Tanveer Akhtar**
   Assistant Professor,
   National College of Business Administration & Economics Lahore, Sub Campus Bahawalpur.
   t.akhtar1433@gmail.com

Abstract:

The economic sector is the broadest in human life. Justice moderation and balance are very important in the economic sector. In this context, the state has the right to intervene in economic matters so that the state establishes justice and balance in economic matters. All the responsibilities of the development of economic affairs are imposed on the state. Therefore, the state can monitor the economic affairs by using its powers and can intervene where necessary to maintain moderation. Among the practical steps taken by the *Khulafā* during their *Khilāfat* for the welfare of the society, the most important was the guidance of economic matters. Where they saw poverty or immoderation or injustice in economic matters, they corrected the economic matters by using the state powers. In this regard, they formulated such principles for the public interest which can be adopted in the present day to improve the economic affairs. Today the world is suffering from many problems, among which the main problem is the economy, so the action of the state in this matter is seen as very necessary. The *Khulafā* intervened in economic matters so that people could uphold justice in financial matters, i.e. buying and selling. As the result, there could be no shortage, exploitation, hoarding, fraud, price increase in the market. In the article under review, it has been clarified that the state has the right to intervene in financial matters and its evidence and examples have been presented from the era of the *Khilāfat-e-Rāshidah*.

Keywords: *Economic, Justice, State, Khulafā, Market, Welfare.*

تمہید

انسانی زندگی میں اقتصادی شعبہ سب سے زیادہ وسعت اور اہمیت کا حامل ہے۔ تمام شعبوں میں عدل وانصاف قائم کرنا ریاست کا فریضہ ہے۔ اس تناظر میں ریاست کو اقتصادی معاملات میں مداخلت کا حق حاصل ہے تاکہ اقتصادی معاملات میں عدل و انصاف قائم رہے۔ ریاست کے لئے لازم ہے کہ وہ اقتصادی سرگرمیوں کی نگرانی کرے، عادلانہ نظام سے ہر قسم کے انحراف کو ختم کرے، امت کے اجتماعی اور انفرادی مصالح کا تحفظ کرے۔ اقتصادی شعبہ کی ترقی کی تمام تر ذمہ داریاں ریاست پر عائد ہوتی ہیں۔

ریاست ایسے قوانین وضع کرتی ہے جس سے معاشی مقاصد حاصل ہوتے ہیں جیسے معاشی استحکام، سرمایہ کی منصفانہ تقسیم، اقتصادی عدل وانصاف وغیرہ۔ معاشی مقاصد کا حصول ریاست کے کردار کے بغیر مشکل ہوتا ہے۔ تنہا رسد اور طلب کا قانون ان مقاصد کے حصول کے لئے ناکافی ہے۔ ریاست اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے اقتصادی معاملات کی نگرانی کرسکتی ہے اور جہاں ضرورت ہو وہاں مداخلت بھی کرسکتی ہے جس سے اقتصادی معاملات ہر طرح کے افراط و تفریط سے پاک رہتے ہیں۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے عہدِ خلافت میں معاشرہ کی فلاح وبہبود کے لیے جو عملی اقدامات کیے ان میں سے ایک اہم اقدام اقتصادی معاملات کی نگرانی تھی۔ انہوں نے رعایا کے مالی معاملات اور مادی امور کو منظم کرنے کے لئے اقدامات اٹھائے اور جہاں بے اعتدالی نظر آئی وہاں ریاستی طاقت کا استعمال کرتے ہوئے اقتصادی معاملات کو درست کرنے کی کوشش کی۔ ان کا یہ سارا کردار محض ایک عام حکمران کی حیثیت سے نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے تھا۔ چنانچہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اقتصادی امور میں اجتہاد سے کام لیتے ہوئے ایسے اصول مقرر فرمائے جن کا مقصد مفادِ عامہ کا تحفظ تھا۔

دنیا کے دو بڑے معاشی نظام افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کے دعویداروں کا کہنا ہے کہ ریاست اقتصادی معاملات میں بالکل مداخلت نہ کرے بلکہ بازاروں منڈیوں کو آزاد چھوڑدے، طلب ورسد کے قانون اور مسابقت کی کیفیت سے اقتصادی معاملات خود بخود طے پاجائیں گے۔ گویا ان کے نزدیک فرد اپنے ذاتی مفادات اور نجی ملکیت میں مکمل آزاد ہو۔ جبکہ اشتراکی نظام اس نظریے کے بالکل برعکس فرد کی ملکیت کو ختم کردیتا اور اقتصادی معاملات مکمل طور پر ریاست کے سپرد کردیتا ہے۔ اس نظام میں قومی ملکیت کا تصور ہے، فرد کی نجی ملکیت کا تصور نہیں۔ فرد جو کچھ کرے گا ریاست کے لیے کرے گا اپنے ذاتی مفاد کے لئے کچھ نہیں کرے گا تاکہ تمام شہریوں میں معاشی مساوات قائم کی جاسکے۔ یہ دونوں نظام افراط و تفریط پر مبنی ہیں۔ اشتراکی نظام سرمایہ داری کے ظلم کے ردِ عمل میں وجود میں آیا لیکن اس نے غیر فطری طرزِ عمل کو اپنالیا جس کے نتیجے میں فرد کی صلاحیت مفلوج ہو کر رہ گئی۔ جب فرد میں ذاتی مفاد کا کوئی جذبہ نہ ہو تو فرد کی قوتِ عمل ماند پڑ جاتی ہے۔ دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام فرد کو بالکل آزاد چھوڑ دیتا ہے جس سے وہ مال ودولت کی حرص وہوس میں مبتلا ہو کر ہر ایسا کام کر گزرتا ہے جس میں اس کا مالی فائدہ ہو چاہے معاشرے کا کتنا ہی اجتماعی نقصان کیوں نہ ہو۔

اسلام کا معاشی نظام مذکورہ دونوں نظاموں کے برعکس ایک معتدل راہ ہے جس میں ایک جانب فرد کے ذاتی مفادات اور ملکیت کے حق کو باقی رکھا گیا ہے تو دوسری جانب فرد کو بالکل آزاد بھی نہیں چھوڑا گیا بلکہ اس پر بہت سی پابندیاں عائد کی گئیں ہیں جن کے اندر رہ کر وہ معاشی معاملات سرانجام دینے کا مکلف ہوتا ہے۔ ریاست معاشی معاملات کی نگرانی کرتی ہے۔ اگر بازار میں مقررہ حدود وقیود کی خلاف ورزی کی جائے تو ریاست مداخلت کرکے ان کا نفاذ یقینی بناتی ہے۔ اس سے ایک طرف سرمایہ دارانہ بے لگام نظام کے بسبب معاشی استحصال کا دروازہ بند ہوتا ہے اور دوسری طرف فرد کے ذاتی مفاد کی وجہ سے قوتِ عمل بھی سرگرم رہتی ہے۔

زیرِ نظر مقالہ میں خلافتِ راشدہ کے دور سے ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں فرد کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا جاتا کہ وہ جس طرح چاہے دولت لوٹے، بلکہ ریاست معاشی معاملات کی نگرانی کرتی ہے اور معاشی استحصال اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کو روکنے کے لیے مداخلت بھی کرتی ہے۔

عہدِ صدیقی میں اقتصادی معاملات میں ریاستی مداخلت

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اگرچہ مختصر دورانیہ پر مشتمل ہے تاہم اسے بقیہ ادوار میں ہونے والی فتوحات اور ریاستی توسع کی بنیاد کہنا بے جا نہ ہو گا۔ وصالِ نبوی ﷺ کے ساتھ ہی جب طرح طرح کے فتنوں نے سر اٹھایا تو اس نازک موقع پر آپ جیسی حلیم الطبع شخصیت کے اٹھائے گئے دلیرانہ اقدامات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ ریاست کے جغرافیہ کو وسعت دینے کے لیے نظریاتی سرحدوں کا استحکام انتہائی ضروری ہے۔ ذیل میں اقتصادی معاملات میں ریاستی مداخلت کی آپ کے دور سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

مانعینِ زکوٰۃ سے قتال

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ لوگوں سے کیسے قتال کریں گے حالانکہ وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اس پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

وَاللَّهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ۔[1]

بخدا میں تو اس شخص سے قتال ضرور کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے۔

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اگر رعایا کے لوگ اپنے فرائض ادا نہ کریں تو امام ان سے قتال کر سکتا ہے۔[2] نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو کچھ صحابہ کرام کی رائے یہ تھی کہ ابھی ان لوگوں کو نہ چھیڑا جائے بلکہ اسلامی ریاست جب مستحکم ہو جائے تو پھر ان سے بات کی جائے۔ لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کسی کے اختلاف کی پرواہ کیے بغیر مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنے کے لئے ڈٹ گئے اور کہا کہ زکوٰۃ اسلام کا مالی حق ہے لہٰذا جو اس حق کو ادا نہیں کرے گا تو اس کی جان و مال کا احترام ختم ہو جائے گا۔[3]

زکوٰۃ کمزور، بے بس اور نادار لوگوں کے معاشی تحفظ کو یقینی بناتی ہے اور اس سے دولت گردش کرتی رہتی ہے۔ زکوٰۃ اغنیاء کے اموال میں ایک واجبی حق ہے جس کی وصولی ریاست کے ذمہ ہے کیونکہ ریاست کے پاس طاقت اور قوت نافذہ ہوتی ہے۔ نیز ریاست پر معاشرے کی اقتصادی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے اس لیے زکوٰۃ کی وصولی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ مذکورہ بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سربراہ کی حیثیت سے لوگوں کے مالی معاملات میں مداخلت کر کے نظام زکوٰۃ جو معاشرے میں معاشی توازن اور عدل برقرار رکھتا ہے کا تحفظ کیا۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ بوقتِ ضرورت ریاست اقتصادی امور میں مداخلت کر سکتی ہے اور کچھ لوگ اسلام کے کسی فریضہ کو معطل کریں تو ریاست ان سے آہنی ہاتھوں سے نمٹ سکتی ہے۔

عہدِ فاروقی میں اقتصادی معاملات میں ریاستی مداخلت

اسلام کے اقتصادی نظام کو انتظامی اصلاحات سے مالامال کرنے میں سب سے نمایاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہے۔ آپ نے بے شمار مسائل کا مناسب حل پیش کیا۔ یہی وہ چیز ہے جس نے اسلامی ریاست میں یہ صلاحیت پیدا کی کہ وہ وسیع پیمانے پر اقتصادی سرگرمیوں کی نگرانی کرے تاکہ تمام شعبے خوشحال رہیں، انسانوں میں اقتصادی توازن برقرار رہے اور ہر ایسا راستہ روک دیا جائے جو لوگوں کے استحصال یا نقصان کا باعث ہو۔ ذیل میں آپ کے دور کی معاشی اصلاحات اور معاشی امور میں ریاستی مداخلت کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

مفتوحہ زمینوں سے متعلق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ اتنی وسیع و عریض مفتوحہ اراضی کا کیا فیصلہ کیا جائے؟ آیا غانمین میں تقسیم کر دی جائیں جیسا کہ غنیمت کا اصول ہے یا پھر کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے؟ عراق کی فتح کے بعد سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں آپ کو مجاہدین کے اس مطالبہ سے آگاہ کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ یہ مفتوحہ زمینیں جو مال غنیمت ہیں ان میں تقسیم کی جائیں۔[4] اسی طرح شام کی فتح کے بعد ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اس میں لوگوں کے اس مطالبہ سے آگاہ کیا کہ لوگ چاہتے ہیں کہ مفتوحہ شہر اور شہر کے باشندے زمینوں، کھیتوں اور درختوں سمیت ان میں تقسیم کیے جائیں۔ لیکن میں نے ابھی تک ان کی بات نہیں مانی اور آپ کو خط لکھ رہا ہوں تاکہ آپ اس معاملہ میں اپنی رائے کا اظہار فرمائیں اور اس پر عمل کیا جائے۔[5] نیز بعض صحابہ اور عراق سے واپس آنے والے کچھ دستوں کی طرف سے یہ مطالبہ تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مالِ غنیمت کی طرح مفتوحہ زمینیں بھی ان میں تقسیم کر دیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی تھیں۔[6]

ان باتوں کا جواب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ تھا کہ ان مسلمانوں کا کیا حال ہو گا جو بعد میں آئیں گے وہ دیکھیں گے کہ زمینیں اپنے کاشتکاروں سمیت تقسیم ہو گئیں ہیں اور وہ وراثتاً مخصوص لوگوں میں محدود ہو گئیں ہیں۔ آپ نے فرمایا جب عراق کی زمین عراقی باشندوں سمیت تقسیم کر دی جائے اور شام کی زمین شامی لوگوں سمیت تقسیم کر دی جائے تو سرحدوں کی حفاظت کے لیے آمدن کہاں سے ہو گی؟ عراق، شام اور اس شہر کے یتیموں، بیواؤں اور بچوں کی خبر گیری کس چیز سے کی جائے گی؟[7] آپ نے فرمایا میرا ارادہ یہ ہے کہ ان مفتوحہ زمینوں کو اسی حال پر برقرار رکھا جائے البتہ ان کی آمدنی مسلمانوں کو ہر سال اور ہر زمانہ میں حاصل ہوتی رہے۔ اگر ان کو ہم تقسیم کر دیں تو آئندہ آنے والے مسلمانوں کا بہت نقصان ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں کبار صحابہ سے مشورہ کیا تو عبدالرحمن بن عوف، بلال بن رباح اور زبیر بن عوام رضی الل عنہم کی رائے یہ تھی کہ مفتوحہ اراضی غانمین میں تقسیم کر دی جائیں جبکہ سیدنا عثمان، علی بن ابی طالب، طلحہ بن عبید اللہ، معاذ بن جبل اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی رائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے موافق تھی۔ اس کے بعد دس بڑے انصار صحابہ کو بلوا کر ان سے مشورہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان مفتوحہ زمینوں کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ ان زمینوں کو ان کے مالکوں سمیت ان کے حال پر برقرار رکھا جائے اور زمینوں پر خراج عائد کر دیا جائے اور ان کے مالکوں پر فی کس جزیہ لازم کیا جائے جو مجاہدین، بچوں اور آنے والی نسلوں کے لیے آمدن کا ذریعہ بنے۔ اسلامی ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے ایسے جوانوں کی ضرورت ہے جو ہر وقت ان سرحدوں پر موجود رہیں اور ان کا تحفظ کریں۔ آپ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے شہر جیسے شام جزیرہ، کوفہ، بصرہ، اور مصر میں بکثرت فوجی لشکروں کی موجودگی اور ان کے فراخ رزق اور عطایا کا انتظام ضروری ہے۔ اگر یہ مفتوحہ زمینیں تقسیم کر دی جائیں تو ان جوانوں اور لشکروں کو وظیفے کہاں سے دیے جائیں گے؟ تمام صحابہ کرامؓ کو حضرت عمر کا مشورہ پسند آیا۔[8] لہذا حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ زمینوں کو ان کے مالکوں کے ہاتھوں میں رہنے دیا جائے تاکہ وہ انہیں کاشت کریں اور اس کا خراج ادا کرتے رہیں۔ اس کے لیے کتاب اللہ سے استدلال کیا اور فرمایا کہ مجھے کتاب اللہ میں حجت ملی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔[9]

اور جو مال اللہ نے اُن کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول کی طرف پلٹا دیے وہ ایسے نہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ[10]

(نیز وہ مال) اُن غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادسے نکالے گئے ہیں یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی حمایت پر کمر بستہ رہتے ہیں یہی راستباز لوگ ہیں۔

اس آیت میں اللہ نے یہ بیان کیا کہ یہ مالِ فے مہاجرین کے لئے ہے۔ پھر صرف انہیں پر راضی نہیں ہوئے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس میں شامل کیا اور فرمایا:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڵ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِه فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[11]

(اور وہ اُن لوگوں کے لیے بھی ہے) جو اِن مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے یہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے اِن کے پاس آئے اور جو کچھ بھی اُن کو دیدیا جائے اُس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے یہی فلاح پانے والے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری رائے میں یہ آیت انصار کے بارے میں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بعد میں آنے والے قیامت تک کے لوگوں کو اس میں شامل فرمالیا۔ ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ[12]

(اور وہ اُن لوگوں کے لیے بھی ہے) جو اِن پہلوں کے بعد آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے اُن سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیات سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ آیت بعد میں آنے والوں کے لیے عام ہے اور مال فے ان سب میں مشترک ہے تو ہم اس کو کس طرح ان کے درمیان تقسیم کر دیں اور بعد میں آنے والوں کو حصہ دیے بغیر کیسے چھوڑ دیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمینوں کو برقرار رکھنے اور اس کے خراج کی وصولی کا فیصلہ فرمایا۔[13] اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام امراء کو خط لکھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو تحریر کیا کہ جو زمینیں اور نہریں ہیں وہ ان کے مالکوں کے پاس رہنے دیں تاکہ ان کی آمدنی تمام مسلمانوں کے عطیات میں شامل ہو اس لیے کہ اگر آپ نے ان زمینوں کو حاضرین میں تقسیم کر دیا تو بعد میں آنے والے والوں کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔[14] اسی طرح حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو جو شام میں تھے یہی حکم تحریر کیا۔[15]

ان احکام کی وجہ سے مصر میں بھی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے زمینوں کو تقسیم نہ کیا جبکہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔[16] اس بارے میں امام ابو یوسف فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے کہ زمینوں کو فاتحین میں تقسیم نہ کیا جائے یہ اللہ کی طرف سے توفیق تھی جو ان کے شامل حال ہوئی۔ اسی میں تمام مسلمانوں کی خیر تھی۔[17] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کو رعایا کی مصلحت عامہ اور اقتصادی توازن بر قرار رکھنے کی کتنی فکر تھی اور آپ نے اس کے لیے کتنے عملی اقدامات کیے۔

بنجر زمین کو آباد کرنے میں سستی کرنے والوں سے زمین واپس لینا

خلیفہ کو حق حاصل ہے کہ وہ غیر مملوک بنجر زمینیں کسی کو آباد کرنے کے لیے دے لیکن طویل مدت گزر جانے کے باوجود وہ اس کو آباد نہ کرے تو خلیفہ اس سے واپس لے سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل یہ تھا کہ اگر کسی کو کچھ زمین آباد کرنے کے لیے ملی ہو اور وہ طویل مدت کے باوجود آباد نہ کرتا تو آپ وہ زمین سے اس سے واپس لے لیتے تھے اور آپ کا یہ اقدام شاید اس حدیث کی وجہ سے تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من احيیٰ ارض میتة فھی له ولیس لمتحجر حق بعد ثلاث سنین[18]

جس نے کوئی بنجر زمین آباد کی وہ اسی کی ہو گی اور تین سال بعد باڑ لگانے والے کو کوئی حق نہیں ہو گا۔

اس اصول کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عملی طور پر منطبق بھی کیا۔ ایک روایت میں منقول ہے کہ رسول اللہ نے بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کو زمین آباد کرنے کے لیے دی تھی وہ آباد نہ کر سکے تو حضرت عمر نے ان سے وہ زمین واپس لے لی۔[19] آپ نے زمین واپس لے کر زمین کی ذخیرہ اندوزی کا خاتمہ کیا۔ آپ کے اس طرز عمل سے اسلام کا یہ اصول ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مصلحت عامہ کا ضرر ہو تو مالک کو اپنی ملک معطل رکھنے کی اجازت نہیں اور خلیفۂ وقت کو یہ اختیار ہے کہ وہ مداخلت کر کے وہ زمین کسی ایسے شخص کو دے دے جو اسے فائدہ مند بنائے۔[20] یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے ارضِ موات کے بارے میں اصول طے کیا ہے کہ اگر لمبی مدت گزر جائے تو حاکمِ وقت اس سے کہے کہ یا تو اس زمین کو آباد کر و یا پھر چھوڑ دو تا کہ دوسرے لوگ آباد کریں۔[21]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام نے رعایا کے ساتھ عدل وانصاف، امت کے قیمتی اثاثوں کے تحفظ اور ان کی معاشی بہتری کے لیے اعلیٰ نمونہ قائم کیا۔ بلال مزنی بھی اس معاملے میں حضور اکرم ﷺ کا مقصد سمجھ گئے چنانچہ جو زمین زائد تھی اور جس کی آبادی پر وہ قادر نہیں تھے اس کو تقسیم کر دیا گیا تا کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔[22]

عاملین کو تجارت سے منع کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ قومی سرمایہ کی حفاظت کے حوالے سے بہت حساس تھے۔ اپنے محاسبہ کے ساتھ ساتھ عمال کا بھی کڑا احتساب کرتے، ان کی نگرانی جاری رکھتے، خفیہ جاسوس بھیجتے جو ان کی خبریں لاتے، جس کا کوئی جرم ثابت ہو جاتا اسے سزا دیتے تھے۔[23] جب آپ کسی کو عامل کو مقرر کرتے تو آپ اس سے ایک تحریری معاہدہ لیتے کہ وہ عجمی گھوڑوں پر سوار نہیں ہو گا، چھنا ہوا آٹا نہیں کھائے گا، باریک لباس نہیں پہنے گا، اپنا دروازہ مسلمانوں کی ضرورتوں کے سامنے بند نہیں کرے گا۔[24] آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو تجارت سے منع کر دیا تھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں:

- ایک یہ کہ کہیں تجارت میں مشغول ہو کر اپنی اہم ذمہ داریوں میں غفلت نہ کریں۔
- دوسرا یہ اندیشہ تھا کہ یہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے ذخیرہ اندوزی نہ کریں جس سے لوگوں کا استحصال ہو۔

اسی بناپر آپ ریاست کے عمال اور کارندوں کے اثاثہ جات کی ولایت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ اگر یہ واضح ہو جاتا کہ اس کے مال میں کوئی غیر طبعی اضافہ ہوا ہے تو وہ اضافی مال بیت المال میں واپس کرواتے۔[25] ابن سعد کے مطابق جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کو عامل مقرر کرتے تو اس کا مال لکھتے۔ نیز متعدد لوگوں کو جب ان کے عہدوں سے فارغ کیا گیا تو ان کے مال سے ایک حصہ بیت المال میں جمع کروایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم ان میں شامل ہیں۔[26]

امام مالکؒ نے موطا میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم دونوں ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے۔ وہاں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کچھ مال قرض لیا اور اس سے کچھ سامان وہاں سے خرید کر مدینہ لائے۔ یہاں آکر اس سامان کو بیچا تو اس میں دونوں کو نفع ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس سرمایہ اور نفع دونوں لینے کا ارادہ کیا تو بیٹوں نے عرض کیا کہ اگر یہ مال تلف ہو جاتا تو اس کا ضمان ہمارے اوپر لازم ہوتا تو اس مال کا نفع ہمارے لیے کیوں درست نہیں؟ ایک آدمی نے کہا یا امیر المؤمنین! آپ اس کی مضاربت تصور کر لیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے مضاربت بنایا چنانچہ آدھا نفع مضاربت کے اصول کے مطابق لے کر بیت المال میں جمع کر دیا۔[27]

مذکورہ مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اصول مقرر کر رکھا تھا کہ ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے عہدیداروں کو تجارت سے منع کرے تا کہ اختیارات اور اثر و رسوخ کا ناجائز استعمال نہ ہو اور وہ اپنی ذمہ داری جو ان کے پاس امانت ہے کی ادائیگی میں سستی نہ کریں۔ دورِ جدید کا غیر قانونی آمدنی کا تصور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قانون کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اس قانون کی رو سے عوامی عہدہ رکھنے والے افراد اپنی کسی آمدنی کا قانونی ذریعہ ثابت نہ کر سکیں تو وہ غیر قانونی سمجھی جائے گی اور اس کے ساتھ یہ شخص غیر قانونی طریقہ اپنانے پر سزا کا مستحق ہو گا کیونکہ اسے تجارت کی اجازت نہیں تھی۔[28]

ذخیرہ اندوزی سے منع کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر ایسے طریقہ پر پابندی عائد کر دی تھی جو بغیر کسی وجہ کے مہنگائی کا باعث بنے۔ خاص طور پر ذخیرہ اندوزی سے منع کیا کیونکہ اس سے ایک ہنگامی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس بازار میں سامان لے آنے کی حوصلہ افزائی کرتے، اس سامان اور لانے والے دونوں کے لیے برکت کی دعا کرتے۔ امام مالک رحمہ اللہ آپ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "لا حكرة في سوقنا" یعنی ہمارے بازار میں کوئی ذخیرہ اندوزی نہیں ہو گی۔ لہذا سرمایہ کار اللہ کے اس رزق کو جو ہمارے بازاروں میں اترا ہے خرید کر ذخیرہ نہ کریں۔ ہاں جو شخص دوسرے علاقوں سے گرمی سردی کی مشقت برداشت کر کے اپنی سواری پر لاد کر سامان لاتا ہے وہ عمر کا مہمان ہے، اسے اختیار ہے کہ جو چاہے بیچے اور جو چاہے روک لے۔[29] نیز ایک دفعہ آپ نے مدینہ میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کشمش بیچ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا حاطب کیسے بیچ رہے ہو؟ انہوں نے کہا دو دو مد بیچ رہا ہوں تو آپ نے کہا تم لوگ ہمارے دروازوں، صحنوں اور بازاروں سے خرید کر اپنی مرضی سے بیچ کر ہماری گردنوں پر چھریاں چلاتے ہو۔ ایک ایک صاع بیچو ورنہ بازار میں مت بیچو۔ زمین میں گھومو پھرو اور یہاں سامان لے آؤ پھر جس طرح چاہو بیچو۔[30]

امام احمد نے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ کچھ غلہ مسجد کے دروازے پر ڈال دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور پوچھا یہ غلہ کہاں سے آیا؟ لوگوں نے کہا شاید باہر سے ہمارے پاس کوئی لے آیا ہے تو آپ نے سامان اور لانے والے کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ بعض نے کہا یا امیر المومنین یہ تو ذخیرہ کر لیا گیا تھا۔ آپ نے پوچھا کس نے ذخیرہ کیا تھا تو لوگوں نے جواب دیا کہ فروخ اور فلاں آدمی جو آپ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ آپ نے دونوں کو بلویا، حاضر ہوئے تو پوچھا تم نے مسلمانوں کے غلہ کو ذخیرہ کیوں کیا؟

جواب ملا کہ امیر المومنین! ہم اپنے مال سے خریدتے اور بیچتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کا اناج ذخیرہ کرلے اللہ تعالیٰ اس پر جذام اور افلاس ڈال دیتے ہیں۔ یہ سن کر فروخ نے کہا اے امیر المومنین! میں آپ سے اور اللہ سے عہد کرتا ہوں آئندہ کبھی کسی اناج کی ذخیرہ اندوزی نہیں کروں گا پھر وہ مصر چلا گیا، لیکن مولیٰ عمر نے کہا ہم اپنے مال سے خریدیں اور بیچیں گے۔ راوی کہتے ہیں انہوں نے دیکھا کہ اس کو جذام اور پھوڑوں کی بیماری ہوگئی تھی۔[31] مذکورہ مسئلہ پر یہ روایت بھی شاہد ہے کہ ایک دفعہ آپ بازار کی طرف گئے وہاں دیکھا کہ کچھ سرمایہ کار مال خرید کر ذخیرہ کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا ہرگز نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ رزق لاتے ہیں یہاں تک کہ جب یہ رزق بازار پہنچتا ہے تو کچھ لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور ضرورت سے زائد خرید کر بیواؤں اور مساکین کا حق ذخیرہ کرلیتے ہیں پھر اپنی من مانی قیمتوں پر بیچتے ہیں۔ ہاں جو گرمی سردی کی مشقت برداشت کرکے ہمارے بازاروں میں سامان لے آتا ہے وہ جس طرح چاہے فروخت کرے اور جس طرح چاہے ذخیرہ کرے۔[32]

مذکورہ واقعات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل پر شاہد ہیں کہ آپ ذخیرہ اندوزی جس میں عوام الناس کا ضرر لازم آئے کو قطعاً روا نہ سمجھتے تھے۔ نیز زائد از ضرورت خرید کر من مانی قیمت پر بیچنا بھی عہدِ فاروقی میں جرم تصور ہوتا تھا۔ آپ نے صرف ان لوگوں کو نہیں روکا جو نرخوں کو مصنوعی قلت پیدا کرکے مہنگا کرتے بلکہ ان لوگوں کو بھی منع کیا جو بازار کے عام ریٹ سے کم نرخ پر فروخت کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ بازار سے گزرے ایک آدمی کشمش بیچ رہا تھا۔ پتہ چلا کے یہ عام نرخ سے کم پر بیچ رہا ہے تو آپ نے اسے کہا یا تو اپنا نرخ بڑھالو یا پھر ہمارے بازار سے اٹھ جاؤ۔ آپ نے اس پر اس لئے نکیر کی کہ اس میں بازار والوں کا نقصان ہے۔[33] اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے جانبین کا خیال رکھا کیونکہ یہی اسلام کا عدل اور اس کی دعوت ہے۔

مصلحت ِ عامہ کے پیش نظر ملکیتِ خاصہ کا خاتمہ

اسلام نے ہر فرد کو یہ حق دیا ہے کہ وہ حدود شرع میں رہتے ہوئے اپنی ملکیت میں جو چاہے کر سکتا ہے اور پھر اس فرد کی رضامندی کے بغیر اس کی ملکیت کو چھینا نہیں جا سکتا۔ اموال کے تبادلہ کے لیے رضامندی اسلام کا ایک بنیادی اصول ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔[34]

مومنو! ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے۔

لیکن مخصوص حالات میں کسی نفع عام کی خاطر یا ضررِ عام کو دفع کرنے کے لئے مالک کی ملکیت اس کی رضا کے بغیر بھی ختم کی جا سکتی ہے۔ جب مسجد حرام تنگ ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے گرد موجود گھر خریدنے کا حکم دیا بعض گھر والے تو راضی ہوگئے لیکن بعض راضی نہ ہوئے لیکن آپ نے ان سے جبراً ان کے گھر لے لیے اور ان کی قیمت کعبہ کے خزانہ میں رکھ دی تاکہ مالک وہاں سے وصول کرلیں اور ان سے کہا کہ دیکھو میں نے تمہیں کعبہ میں شامل کر دیا ہے، یہ اس کا صحن ہے کعبہ کو تمہارے اندر شامل نہیں کیا۔[35] آپ نے توسیعِ مسجد کی مصلحت کے پیش نظر ملکیت خاصہ کو ختم کیا کیوں کہ مسجد نمازیوں کے لیے تنگ ہوگئی تھی۔ اس پر قیاس کرکے لوگوں کے زیادہ سے زیادہ نفع کے لیے سڑکوں پلوں وغیرہ کی توسیع کیلئے ملکیت خاصہ ختم کی جاسکتی ہے۔ علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ:

جب مسجد نمازیوں کے لیے تنگ ہو جائے اور ساتھ کسی کی زمین ہو تو قیمت ادا کرکے جبراً وہ زمین لی جاسکتی ہے، کیونکہ صحابہ کرام سے مروی ہے کہ جب مسجد حرام تنگ ہوگئی تو آس پاس کے گھر بھی قیمت دے کر جبراً خرید

لیے گئے اور مسجد حرام میں توسیع کر دی گئی۔ یہ اکراہ جائز ہے۔[36]

لہٰذا اس بحث کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوئی کہ ریاست کو حق حاصل ہے کہ کسی بھی مصلحتِ عامہ کے پیشِ نظر ملکیتِ خاصہ کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

محنت کا فروغ اور گداگری کی مذمت

اسلام دین فطرت اور محنت و عمل کی ترغیب دیتا ہے۔ سستی، بیکار رہنے اور گداگری سے منع کرتا ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ کا مفہوم ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی اٹھائے اور پہاڑ پر چلا جائے۔ وہاں سے لکڑی کی ایک گٹھڑی کمر پر لاد کر بازار لے آئے، بیچے اور اسکی قیمت حاصل کر کے مستغنی ہو جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے لوگ اسے دیں یا نہ دیں۔[37] نیز ایک اور حدیث میں ہے کہ "گھر والوں کی ضرورت پوری کرنے اور ہمسایہ کی خبر گیری کرنے کے لیے جو شخص حلال کمانے کی کوشش کرے اور سوال سے بچے تو قیامت کے دن اللہ تعالی سے اس حال میں ملے گا اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک دار ہو گا۔"[38] ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

> آدمی لوگوں سے مانگتا رہتا ہے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت والے دن جب آئے گا تو اس کے چہرے پر ذرا بھی گوشت نہیں ہو گا۔[39]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مذکورہ احادیث کے مطابق طرزِ عمل اپنایا۔ آپ رضی اللہ عنہ، محنت و عمل پر لوگوں کو آمادہ کرتے، اس کی ترغیب دیتے اور توکل کے نام پر محنت چھوڑنے کو سختی سے منع فرماتے۔ آپ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ یمن کے کچھ لوگوں کو ملے تو آپ نے ان سے پوچھا تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا "متوكلون" ہم توکل کرنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو "انتم متاكلون" تم بہانے سے کھانے والے ہو۔ متوکل تو وہ ہے جو اپنا بیج زمین میں ڈالتا ہے اور پھر اللہ تعالی پر توکل کرتا ہے۔[40] گویا کہ آپ نے توکل کے حوالے سے ان کی غلط فہمی کو دور کیا اور اس کی صحیح تعبیر ارشاد فرمائی۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ تم میں سے کوئی شخص رزق کی تلاش کی بجائے بیٹھ نہ جائے اور پھر کہے "اللهم ارزقني" "اے اللہ مجھے رزق عطا فرما۔ تم جانتے ہو کہ آسمان سونا اور چاندی نہیں برساتا۔[41]

آپ کی یہ عادت تھی جب آپ کسی نوجوان کو دیکھتے اور اس کا حال آپ کو پسند آتا تو اس سے پوچھتے کہ تیرا کوئی پیشہ ہے یا تجھے کوئی ہنر آتا ہے؟ تو اگر وہ نفی میں جواب دیتا تو فرماتے یہ میری نظروں سے گر گیا۔[42] اسی طرح آپ کے نزدیک بغیر کسی شدید ضرورت کے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنا جائز نہیں تھا۔ منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ ایک سائل کے پاس سے گزرے اس کی کمر پر ایک تھیلا تھا جو کھانے سے بھرا ہوا تھا۔ آپ نے وہ تھیلا اس سے لیا اور اونٹوں کے سامنے الٹ دیا اور پھر اس سائل سے کہا کہ اب مانگ جو مانگے۔[43] روایت ہے کہ آپ نے ایک سائل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو سائل کو کھانا کھلائے گا اللہ اس پر رحم کرے گا۔ حضرت عمر نے کہا کہ اسے رات کا کھانا دے دو، پھر آپ چلتے پھرتے اونٹوں کے بھانے کے پاس آ گئے تو آپ نے پھر وہی آواز سنی کہ جو سائل کو رات کا کھانا کھلائے گا اللہ اس پر رحم کرے گا۔ آپ نے کہا میں نے آپ لوگوں سے کہا نہیں کہ اسے رات کا کھانا دے دو لوگوں نے جواب دیا کہ اس کو ہم نے رات کا کھانا دے دیا ہے۔ آپ نے اس سائل کو بلا بھیجا وہ آیا تو اس کے پاس روٹیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا تھا۔ آپ نے فرمایا تو سائل نہیں تاجر ہے اپنے لیے مال جمع کر رہا ہے، پھر آپ نے وہ تھیلا پکڑا اور اونٹوں کے سامنے پھینک دیا۔[44] مذکورہ شواہد کی بنا پر علامہ ماوردی محکمہ احتساب کے والی کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اگر والی کسی آدمی کو دیکھے کہ وہ لوگوں سے صدقہ مانگتا پھرتا ہے اور اسے علم ہو کہ وہ غنی ہے، اس کے پاس مال ہے یا پھر کمانے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے روکے اور اس کے خلاف تادیبی کارروائی کرے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح صدقہ مانگنے والوں کے ساتھ ایسا ہی کیا۔[45]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے محض گداگری اور سوال کرنے کی مذمت منقول نہیں بلکہ آپ کے نزدیک رزقِ حلال کے حصول کے لیے محنت، کوشش اور طلب و جستجو کرنا سب سے افضل عمل ہے۔ آپ سے منقول ہے کہ "تم پر تین سفر فرض ہیں۔ حج کا، عمرے کا اور وہ جو اپنا مال لے کر اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے سفر کرتا ہے پھر مستغنی ہو جاتا ہے اور صدقہ کرنے والا بن جاتا ہے۔ اللہ کی قسم! میں اپنا مال لے کر اللہ کا فضل تلاش کرنے نکلوں اور مجھے اس راستے میں موت آجائے یہ مجھے بستر پر موت سے زیادہ پسند ہے۔ اگر میں کہوں کہ یہ شہادت ہے تو میرے خیال میں یہ شہادت ہی ہے۔[46] اسی طرح آپ یہ بھی پسند نہیں تھا اسلامی ریاست کا ایک طبقہ دوسرے سے کچھ مانگے۔ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے جماعت قراء! اٹھو، راستہ بالکل واضح ہے، بھلائیوں کے حصول میں سبقت کرو اور لوگوں پر بوجھ اور ان کے محتاج نہ بنو۔[47] گویا کسی بھی طبقہ کو دوسرے پر بوجھ بننے کی بجائے میدانِ عمل میں آنے اور اپنا حق تلاش کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ان تمام آثار سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ مداخلت کر کے نکما پن اور بے کاری کے خلاف اقدام کرے، معاشرے سے اس کے اثرات مٹانے کے لیے باریک بینی سے کام لے، نیز لوگوں میں بھیک سے نفرت پیدا کرے، محنت و عمل کی ترغیب دے اور جتنا ممکن ہو محنت اور روزگار کے مواقع فراہم کرے۔

ضروریاتِ زندگی کا تحفظ اور باہمی تعاون کو فروغ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو رعایا کا سب سے پہلا ذمہ دار قرار دیتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ نے اس میدان میں بہت بڑی تعداد میں انتہائی اہم اقدامات کیے جو بعد والے حکمرانوں کے لیے بہترین راہ عمل ہیں۔ آپ کی بھرپور کوشش ہوتی تھی کہ رعایا کے تمام افراد کو پر امن و خوشگوار زندگی میسر ہو اور اس کام کے لیے آپ بنفس نفیس کوشاں رہتے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی سفر میں تھے کہ آپ نے پہاڑ پر ایک چرواہے کی آواز سنی۔ آپ اس طرف دوڑ پڑے اور جب اس کے قریب ہو گئے تو چیخ کر کہا کہ او چرواہے! اس نے جواب دیا تو حضرت عمر نے فرمایا میں ایسی جگہ سے گزرا ہوں جو اس سے زیادہ سرسبز ہے۔ ہر نگہبان سے اسکی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پھر آپ نے سواریوں کا رخ موڑ دیا۔[48] آپ کا یہ طرزِ عمل گو دیکھنے میں بہت معمولی معلوم ہوتا ہے لیکن اس سے آپ کی خیر خواہی اور بہتر مواقع کی نشاندہی کا عنصر بخوبی عیاں ہے جو درحقیقت امتِ مسلمہ کے ہر فرد سے مطلوب ہے۔ ذیل میں دورِ فاروقی کے چند اہم اقدامات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں جن کی بدولت رعایا کی اقتصادی و معاشی حالت بہتر بنا کر معاشرتی استحکام کا حصول ممکن ہوا۔

بچوں کے لیے ولادت کے وقت سے وظیفہ کا تقرر

دورِ فارقی میں بچوں کا وظیفہ دودھ چھڑانے کے ساتھ ہی مقرر کر دیا جاتا تھا لیکن بعد میں آپ کو معلوم ہوا کہ بعض مائیں وظیفہ مقرر کرانے کے لیے دودھ جلدی چھڑوا دیتی ہیں تو آپ نے یہ حکم جاری کیا کہ جو بھی مسلمانوں کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہو تو ولادت کے دن ہی سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے اور یہ حکم نامہ اپنے تمام صوبوں اور شہروں کے عمال کو لکھ بھیجا۔ امام ابو عبید نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ بچہ کا وظیفہ دودھ چھڑانے کے بعد مقرر کرتے تھے پھر اپنے ایک منادی کو حکم دیا۔ اس نے یہ اعلان کیا کہ بچوں کا دودھ جلدی نہ چھڑوایا کرو اس لئے کہ اب ہم پیدا ہونے والے ہر بچہ کا

وظیفہ پہلے دن سے مقرر کر دیں گے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ یہ حکم آپ نے ریاست کے تمام اطراف لکھ بھیجا۔[49] آپ کا یہ بے نظیر طرز عمل اسلام کے اقتصادی نظام کا خاصہ ہے جس کی مثل دیگر معاشی نظاموں میں مفقود ہے۔

بے سہارا افراد کی ذمہ داری

ایسے افراد یا خاندان جن کی آمدنی بقدرِ کفایت نہ ہو عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو ان کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ آپ ہمیشہ رعایا کے احوال کی خبر گیری کے لئے تفتیش اور گشت کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ رات کے وقت نکلے تو ایک جگہ آگ دیکھی تو اس طرف چل پڑے، دیکھا کہ ایک عورت اور بچے ہیں جو رو رہے ہیں۔ پوچھا بچے کیوں رو رہے ہیں؟ عورت نے کہا بھوک کی وجہ سے۔ آپ واپس بیت المال آئے، آٹے کی بوری اور ایک تھیلہ خوراک کا لیا اور اپنی کمر پر لاد کر پہنچایا۔[50] ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے تمام لوگوں کا وظیفہ مقرر کر دیا یہاں تک کہ کوئی بھی ایسا نہ بچا جس کے لیے وظیفہ مقرر نہ ہوا ہو یہاں تک کہ کچھ لوگ ایسے بچ گئے جن کا نہ کوئی قبیلہ تھا اور نہ ہی موالی کا رشتہ۔ تو آپ نے ان کے لیے فی کس اڑھائی سو سے تین سو درہم تک وظیفہ مقرر کیا۔[51]

لاوارث بچوں کی خبر گیری

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے تھی کہ لاوارث بچوں کا جب نہ مال ہو اور نہ کوئی اس کی کفالت کرنے والا تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ اس کی کفالت کرے، اس کے اخراجات اور تعلیم و تربیت کا بھی انتظام کرے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ ابن ابی جمیلہ کو ایک گرا ہوا بچہ ملا۔ وہ اسے لے کر آپ کے پاس آئے۔ حضرت عمر نے ان سے کہا تم اسے لے جاؤ یہ آزاد ہو گا اس کی ولاء تمہاری ہو گی اور ریاست اس کے اخراجات کی ذمہ دار ہے۔[52] ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی گرا پڑا بچہ لایا جاتا تو آپ اس کے لئے سو درہم مقرر کر دیتے اور اس کی خوراک بھی مقرر کر دیتے تھے۔[53]

مہمانوں اور مسافروں کی خبر گیری کرنا

آپ نے مکہ اور مدینہ کے راستوں میں سرائے اور مسافر خانے بنائے جہاں پانی وغیرہ کا انتظام ہوتا۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ راستوں اور سڑکوں کے انتظام پر مامور عملہ نے حضرت عمر سے درخواست کی کہ مکہ اور مدینہ کے راستے میں سرائے تعمیر کیے جائیں تو آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا مسافر پانی اور سائے کا زیادہ حقدار ہے۔[54]

یہ وہ اہم اقدامات تھے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اقتصادی سرگرمیوں میں مداخلت کر کے اٹھائے اور انہیں اپنی ذمہ داری قرار دیا۔ آپ کے اس طرز عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام ایک حاکم کے اندر کس درجہ احساس ذمہ داری کو پیدا کرتا ہے اور اس سے تقاضا کرتا ہے کہ امت کے مصالح اور افراد کے تحفظ کے لئے بھرپور کوشش کرے۔ اس وقت دنیا میں رائج دو نظام سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام یہ کہتا ہے آدمی نے جتنی محنت اور عمل کیا ہے بس اسی کے بقدر وہ مستحق ہے باقی اس کی ضروریات کا اس کے استحقاق میں کچھ دخل نہیں۔ جبکہ اشتراکیت کے مطابق آدمی کو صرف اس کی ضرورت کے مطابق ملے گا، جو زائد ہو گا وہ ریاست کا ہے چاہے اس کی کتنی ہی محنت و عمل ہو۔[55] یہ دونوں نظام افراط و تفریط اور بے اعتدالی کا شکار ہیں جب کہ ان کے مقابلے میں اسلام ایک معتدل اور عادلانہ نظام ہے۔ حضرت عمر نے اسی اعتدال سے کام لیا اور رعایا میں اس نظام کو نافذ کیا کیونکہ انہوں نے یہ اصول طے کر رکھا تھا کہ ریاست کے ذرائع آمدن میں تمام لوگوں کا یکساں حق ہے اور ریاست ان کی معاشی خبر گیری، خوشگوار زندگی کی فراہمی کو یقینی بنانے اور ان کے معاشرتی تحفظ کی ذمہ دار ہے۔

عہدِ عثمانی میں اقتصادی معاملات میں ریاستی مداخلت

دورِ فاروقی کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آتا ہے جو دورانیہ کے لحاظ سے خلافتِ راشدہ کا سب سے طویل دور ہے۔ اپنے پیش رو اور دو خلفاء کی مانند آپ نے بھی رعایا کی معاشی بہتری اور استحکام کو فوقیت دی۔ ذیل میں آپ کے دور کی چند ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے مذکورہ بیانیے کی تائید ہوتی ہے کہ ریاست کو اقتصادی معاملات میں مفادِ عامہ کے تحت مداخلت کر سکتی ہے۔

بیوقوف آدمی پر تصرفات کی پابندی عائد کرنا

ہر چیز بشمول مال کی ملکیتِ حقیقی اللہ رب العزت کو حاصل ہے البتہ اموال میں بطور نیابت انسانوں کو ملکیت دی گئی ہے اور انہیں اس مال میں صرف اتنا تصرف کا حق حاصل ہے جتنا وکیل کو اپنے موکل کے مال میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلام فرد کو خرچ کرنے میں اسراف اور تبذیر سے منع کرتا ہے اور جو فضول خرچی سے کام لے اسلام اسے سفیہ (بے وقوف) شمار کرتا ہے اور اس کی مصلحت کی خاطر اس کے تصرفات پر پابندی عائد کرتا ہے اور اس کے لیے ایک وصی مقرر کرتا ہے جو اس کا انتظام سنبھالے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا۔[56]

اپنا وہ مال جسے اللہ نے تمہارے لیے حیات کا ذریعہ بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالہ نہ کرو البتہ انہیں کھانے اور پہننے کے لیے دو اور انہیں نیک ہدایت کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بے وقوفوں کو ان کا مال دینے سے منع کر دیا سوائے ان کے لباس اور خوراک کے۔ اسی کے مطابق حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل کیا۔ آپ کے عہدِ خلافت میں جو شخص اپنے مال میں بے فائدہ اور فضول تصرف کرتا اس پر تصرف کی پابندی عائد کر دی جاتی۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ عبد اللہ بن جعفر طیار نے کوئی سودا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں عثمان کے پاس جاتا ہوں اور تم پر تصرفات کی پابندی لگواتا ہو۔ عبد اللہ بن جعفر نے اس بات سے زبیر بن عوام کو آگاہ کیا تو انہوں نے کہا اس معاملہ میں میں تمہارا شریک ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ میرے بھتیجے عبد اللہ بن جعفر پر تصرفات کی پابندی عائد کر دیں۔ اس پر حضرت زبیر بول پڑے کہ میں عبد اللہ کا شریک ہوں۔ حضرت عثمان نے فرمایا: میں اس شخص پر پابندی لگاؤں جس کا شریک زبیر ہو؟[57] گویا زبیر بن عوام کی شرکت کی وجہ سے پابندی نہیں لگائی۔ اگر وہ نہ ہوتے تو کم سمجھ ہونے کی بنا پر آپ پابندی عائد کرتے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے مال میں نقصان دہ تصرفات کرے تو اس پر پابندی لگانا جائز ہے یہاں تک کہ وہ سمجھدار اور مال کی حفاظت کا اہل ہو جائے۔ قرآن کی بھی یہی تعلیم ہے۔[58] یہ پابندی کم سمجھ آدمی کی مصلحت ہی کے لیے مشروع ہے تا کہ اس کا مال ضائع ہونے سے بچ جائے۔

بنجر زمین کی آبادکاری

بنجر زمینیں جن کا کوئی مالک نہ ہوں ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ان کی نگرانی کرے کیونکہ ریاست کو تمام انسانی سرگرمیوں میں ولایت عامہ حاصل ہے۔ لہٰذا حاکمِ وقت جسے اہل سمجھے اسے بنجر زمینیں آباد کرنے کے لیے دے سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ کو بنجر زمینیں آبادکاری کے لیے دیں تاکہ وہ ان میں زراعت کریں اور بیت المال کے ان زمینوں پر لاگو ہونے والے حقوق ادا کریں۔[59] آپ کا ان زمینوں کو آبادکاری کے لیے دینے کا مقصد یہ تھا کہ یہ زمینیں آباد ہوں اور ان سے آمدنی حاصل

ہوتا کہ تمام مسلمانوں کو ان سے فائدہ پہنچے کیونکہ اس سے ریاست کے ذرائع آمدن میں اضافہ ہوتا ہے۔

بنابر مصلحت ملکیتِ خاصہ کا اجباری خاتمہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مسجد حرامِ تنگ ہوگئی تو آپ نے توسیع کے لیے آس پاس کے گھر خریدے اور جنہوں نے انکار کیا ان سے جبراً گھر لے کر قیمتیں بیت المال میں رکھوادیں۔ وہ لوگ بیت اللہ کے پاس جاکر چیخ و پکار کرنے لگے۔ آپ نے انہیں قید کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم کیوں یہ جرات کر رہے ہو؟ تم میرے حلم کی وجہ سے یہ جرات کر رہے ہو حالانکہ حضرت عمر نے بھی ایسا کیا تھا اس وقت تو تم نہیں چیخے تھے۔ پھر عبداللہ بن خالد بن اسید نے آپ سے ان لوگوں کے بارے میں بات کی تو آپ نے انہیں رہا کر دیا۔[60]

بازاروں کی نگرانی کا اہتمام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بازار کے حالات کی خبر گیری، جاری معاملات سے واقفیت اور قیمتوں کے استحکام کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی۔ آپ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ جمعہ کے دن نکلتے اور آپ پر دو زرد رنگ کے کپڑے ہوتے۔ آپ منبر پر بیٹھ جاتے تو مؤذن اذان دیتا آپ لوگوں سے گفتگو کرتے اور ان سے ان کے مریضوں اور قیمتوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔[61] بازاروں کی نگرانی کی آپ کو اتنی فکر تھی کہ آپ نے مدینہ کے بازار کا حارث بن حکم کو نگران مقرر کر رکھا تھا۔[62] اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ بازار کی نگرانی کرے اور اس میں جاری معاملات درست سمت پر چلائے اور نرخوں کے اتار چڑھاؤ پر نظر رکھے تاکہ مصنوعی قلت کی وجہ سے خود ساختہ مہنگائی نہ ہو پائے۔ اسی طرح یہ بھی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ کسی اہل شخص کو بازار کی نگرانی، حالات کا جائزہ لینے اور اس میں جاری معاملات سے باخبر رہنے کے لیے نگران مقرر کرے تاکہ وہ لالچ میں زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی کوشش کرنے والوں کے خلاف تادیبی کارروائی کر سکے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اقتصادی امور میں ریاستی مداخلت

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت خلافتِ راشدہ کا آخری دور ہے جس کا دورانیہ سازشی اور باغی عناصر کی بیخ کنی کے حوالے سے اہم ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے شروع ہونے والی شورشیں انتہا کو پہنچیں تو آپ نے ان کی سرکوبی کی اور ریاست مدینہ کو ان سے پاک کیا۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ پہلے ادوار میں اگرچہ ریاستِ مدینہ کی جغرافیائی وسعت ہوئی تاہم آپ کے دور میں اس کی نظریاتی سرحدوں کا دفاع کیا گیا اور ان کو زد پہنچانے والی طاقتوں کا سر کچلا گیا۔ آپ کے دور میں رعایا کی معاشی بہتری کے لیے جو اقدامات کیے گئے ان میں سے چند ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

تجارتی امور اور تاجروں کے احوال کی خبر گیری

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں کی طرف توجہ کی، تاجروں اور صنعت کاروں کی حوصلہ افزائی کی اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ کسی قسم کا انحراف اور حرام معاملات کا ارتکاب نہ کریں تو ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے۔ باوجود اس کے کہ آپ کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ آپ خود کبھی تجارت میں مشغول ہوئے کیونکہ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس وقت آپ بچے تھے لیکن پھر بھی آپ کو تجارت کا اچھی طرح علم تھا۔ تجارت آپ کی قوم کا پیشہ تھا پھر جب آپ خلیفہ بنے تو آپ نے تجارت کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا۔[63]

بازاروں کی نگرانی اور احوال کا جائزہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بازار کی نگرانی کی طرف خصوصی توجہ کی۔ ان میں جاری معاملات کی خود نگرانی کرتے اور بازار والوں کو معاملات کے احکام وآداب بتاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کو دیکھا گیا کہ آپ قصر خلافت سے نکلے۔ آپ کے پاس ایک درہ تھا جسے لے کر آپ بازار میں گھومتے تھے بازار والوں کو اللہ سے ڈرنے، حسن معاملہ، ناپ تول پورا کرنے کا حکم دیتے تھے۔[64] آپ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بازار میں آتے اور ایک جگہ کھڑے ہو جاتے اور فرماتے: اے بازار والو! قسم کھانے سے ڈرو کیونکہ قسم کھانے سے سودا تو چلتا ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔ تاجر فاجر ہے سوائے اس کے جو حق سے لے اور حق طریقہ سے دے۔[65]
اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ آپ خلیفہ ہونے کے باوجود اکیلے بازار میں پھرتے تھے راستہ بھولے ہوئے کو راستہ بتاتے تھے ضعیف اور کمزوروں کی مدد کرتے، دکانداروں اور تاجروں کے پاس سے گزرتے تو قرآن کھول کر یہ آیت پڑھتے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔[66]

وہ آخرت کا گھر تو ہم اُن لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لیے ہے۔

آپ کے بقول یہ آیت عادل اور متواضع حکمرانوں اور بااثر لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[67] ایک مرتبہ آپ بازار کی طرف نکلے دیکھا کہ بازار والے اپنی جگہوں سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کو یہ حق نہیں۔ مسلمانوں کا بازار ایسے ہے جیسے نماز کی جگہ جو شخص سب سے پہلے کسی جگہ پر پہنچ جائے تو وہ پورا دن وہ اسی کی ہے یہاں تک کہ وہ چھوڑ نہ دے۔[68] آپ کا یہ طرزِ عمل گویا حاکم وقت کو تاکید کرتا ہے کہ وہ بازار کی سرگرمیوں میں مداخلت کرتا رہے تاکہ وہاں کوئی بھی ناجائز اور نقصان دہ معاملہ نہ ہو اور اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی کرے۔

عہدِ خلافت راشدہ کی یہ مثالیں دورِ حاضر میں اس بات کی ضرورت پر زور دیتی ہیں کہ ریاست لوگوں کے معاشی تحفظ اور استحکام کی نگان ہے۔ لہٰذا ریاست پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تاجروں اور صنعتکاروں کے معاملات کی نگرانی کرے ان کے حالات کا جائزہ لیتی رہے اور انہیں ہر ایسے کام سے روک دے جو اس کو ضرور پہنچائے جیسے ذخیرہ اندوزی، لالچ، عوام کا استحصال۔ نیز قیمتوں کے استحکام کا تحفظ کرے تاکہ رعایا خوشحال اور پرامن زندگی گزار سکیں۔

حاصل و نتائج بحث

معاش و معیشت کی اہمیت سے نہ تو انکار ممکن ہے اور نہ ہی معاصر معاشی مسائل کے تدارک سے پہلو تہی کی جا سکتی ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں ریاست کو اقتصادی سرگرمیوں میں مداخلت کا حق حاصل ہے۔ اسلام سرمایہ دارانہ نظام کی طرح فرد کو نہ تو بے لگام کرتا ہے اور نہ ہی اشتراکی نظام کی طرح مہمل کر دیتا ہے بلکہ اس کی ملکیت کو بھی برقرار رکھتا ہے اور اس کی نگرانی بھی کرتا ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اقتصادی معاملات میں مداخلت کی تاکہ لوگ مالی معاملات، خرید و فروخت عدل و انصاف سے سر انجام دیں اور بازار میں کوئی انحراف، استحصال، دھوکہ، فراڈ یا کوئی زیادتی نہ ہو۔ پیش کردہ مثالوں کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ غیر منصوص معاشی معاملات میں ریاست کو عوامی مفاد کی بنا پر مداخلت کا حق حاصل ہے بشرطیکہ یہ مداخلت شریعت کے دیگر قواعد اور اصولوں کے متصادم نہ ہو۔

حواشی وحوالہ جات

1 البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، (مصر: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، رقم الحدیث: 1400، 2/109۔

2 ابن العربی، حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ مالکی، **عارضۃ الاحوذی**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1418ھ)، 10/73۔

3 ایضاً، 10/72۔

4 ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، **کتاب الخراج**، تحقیق: ڈاکٹر محمد ابراہیم البنا، (بیروت: دار المعرفۃ، 1979ء)، ص68۔

5 ایضاً، ص284۔

6 ایضاً، ص67۔

7 ایضاً۔

8 ایضاً، ص69-70۔

9 سورۃ الحشر 59:6۔

10 سورۃ الحشر 59:8۔

11 سورۃ الحشر 59:9۔

12 سورۃ الحشر 59:10۔

13 ابو یوسف، **کتاب الخراج**، ص71۔

14 ایضاً، ص68۔

15 ایضاً، ص284۔

16 ابو عبید، قاسم بن سلام، **کتاب الاموال**، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، سن ندارد)، ص60۔

17 ابو یوسف، **کتاب الخراج**، ص72۔

18 ایضاً، ص140۔

19 ابو عبید، **کتاب الاموال**، ص267

20 الجمال، محمد عبد المنعم، **الموسوعۃ الاقتصادیۃ الاسلامیۃ**، (قاہرۃ: دار الکتاب المصری، 1400ھ)، 1/138۔

21 ابن قدامۃ، ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد، **المغنی**، (ریاض: نشر مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ، 1999ء)، 5/569۔

22 السمیع، محمد علی، **ملکیۃ الارض فی الشریعۃ الاسلامیۃ**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1403ھ-1983ء)، ص139۔

23 الطحاوي، سلیمان محمد، **عمر بن الخطاب واصول السیاسۃ والادارۃ الحدیثۃ**، (قاہرۃ: دار الفکر العربي، 1976ء)، ص278۔

24 ابن الجوزی، ابو الفرج عبد الرحمن بن علی، **تاریخ عمر بن الخطاب**، (بیروت: مکتبۃ العلم، 2020ء)، ص108۔

25 قطب، ابراہیم محمد، **السیاسۃ المالیۃ لعمر بن الخطاب**، (قاہرۃ: الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، 1984ء)، ص162۔

26 ابن سعد، محمد بن سعد الزہری، **الطبقات الکبریٰ**، (کراچی: نفیس اکیڈمی، سن ندارد)، 3/282۔

27 الباجي، ابو الولید سلیمان بن خلف، **المنتقی**، (بیروت: دار الکتاب العربي، 1332ھ)، 5/149۔

28 عاشور، السید محمد، **روادالاقتصادالعرب**، (الھرم: دار الامل للنشر والتوزیع، 1998ء)، ص7۔

29 الباجی، **المنتقی**، 5/15۔

30 عبد الرزاق، ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام، **المصنف**، (الھند: منشورات المجلس العلمی، 2002ء)، 8/217۔

31 احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ الشیبانی، **المسند**، (دمشق: مؤسسۃ الرسالۃ، 2000ء)، 1/21۔

32 البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین، **السنن الکبریٰ**، (بیروت: نشر دار الفکر 2004ء)، 6/30۔

33 الباجی، **المنتقی**، 5/17۔

34 سورۃ النساء 4:29۔

35 الازرقی، ابو الولید محمد بن عبد اللہ، **اخبار مکۃ وما جاء فیھا من الاثار**، (اشبیلیۃ: دار الاندلس، 1999ء)، 2/69۔

36 الزیلعي، فخر الدین عثمان بن علی، **تبیین الحقائق فی شرح کنز الدقائق**، (بیروت: دار المعرفۃ، بیروت، 2014ء)، 3/331۔

37 البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسئلۃ، رقم الحدیث: 1471، 2/129۔

38 ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ الاصفہانی، **حلیۃ الاولیاء**، (بیروت: دار الفکر، سن ندارد)، 3/110۔

39 البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الزکاۃ، باب من سال الناس تکثرا، رقم الحدیث: 1474، 2/130۔

40 السخاوي، محمد بن عبد الرحمن بن محمد، **المقاصد الحسنۃ**، (بیروت: دار الکتاب العربی، 1985ء)، ص 282۔

41 الغزالی، محمد بن محمد، **احیاء العلوم** (مترجم)، (کراچی: مکتبہ المدینہ دعوتِ اسلامی، سن ندارد)، 2/64۔

42 ابن الجوزی، **تاریخ عمر بن خطاب**، ص 183۔

43 ایضاً، ص 91۔

44 ایضاً۔

45 الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد، **الاحکام السلطانیہ**، (کویت: دار ابن قتیبہ، 2008ء)، ص 309۔

46 الخلال، احمد بن محمد بن ھارون، الحث علی التجارۃ والصناعۃ والعمل والانکار علی من یدعي التوکل وترک العمل، (ریاض: نشر دار العاصمۃ، 1407ھ)، ص 101۔

47 ایضاً۔

48 ابن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، 3/292۔

49 ابو عبید، **کتاب الاموال**، ص 223۔

50 ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، **البدایۃ والنھایۃ**، (بیروت: مکتبۃ المعارف، 1998ء)، 7/131۔

51 ابن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، 3/304۔

52 البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الشھادات، باب اذا زکي رجل رجلا کفاہ، رقم الحدیث: 2662، 3/158۔

53 ابن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، 3/298۔

54 ایضاً، 3/283۔

55 عاشور، **رواد الاقتصاد العرب**، ص 18۔

56 سورۃ النساء 4:5۔

57 البیہقی، **السنن الکبریٰ**، 6/61۔

58 سورۃ النساء 4:6۔

59 ابو عبید، **کتاب الاموال**، ص 257۔

60 الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، **تاریخ الامم والملوک**، (بیروت: دار سویدان، 1387ھ)، 4/251۔

61 ابن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، 3/59۔

62 البلاذري، ابو حسن احمد بن یحیی بن جابر، **انساب الاشراف**، (بغداد: مکتبۃ المثنی، سن ندارد)، 5/57۔

63 الافغاني، سعید، **اسواق العرب في الجاهلية والاسلام**، (دمشق: دار الفکر، 1379ھ)، ص 31۔

64 ابن سعد، **الطبقات الكبرىٰ**، 3/28۔

65 الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، **تهذیب الاثار**، (مدینہ منورۃ: مطبعۃ المدنی، 1997ء)، 4/216۔

66 سورۃ القصص 28:83۔

67 ابن کثیر، **البداية والنهاية**، 8/5۔

68 المتقی، علاؤ الدین علی بن حسام الہندی، **كنز العمال فى سنن الاقوال والافعال**، (دمشق: مکتبۃ التراث الاسلامي، 1390ھ)، 5/816۔